© rasailojaraid.com

سید محمد ذوالکفل بخاری

جبر کی سائنس سے صبر کی سائنس تک

یادش بخیر، الطاف گوہر صاحب آج کل " نوائے وقت " میں " جنوں کی حکایت " لکھ رہے ہیں۔ اردو دان اور اردو خواں عوام کے لئے، ان ایسے خواص کا اتنا تردد، عین الطاف اور عین نوازش ہی تو ہے۔

" ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے "

لطف سخن تو ہے ہی خداداد چیز، لیکن میں نے دیکھا ہے کہ مطلعوں، مقطعوں یا ان کے بیچوں بیچ، سخن گسترانہ باتوں کی "تنصیب" کا جیسا ہنر انہیں آتا ہے، اس میں بھی وہ یکتا ہیں۔ بلکہ یکہ تاز ہیں۔ اپنے یکم دسمبر (۹۳ء) کے کالم " باتیں نواب کالا باغ مرحوم کی " ---------- میں الطاف صاحب نے حسب معمول بڑے مزے کی اور بڑی پتے کی باتیں کہی ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں ----- فیض احمد فیض نے کہا " دیکھو نا! جبر کی بھی ایک سائنس ہے۔ جسے ہر وہ شخص جو اقتدار کی کرسی پر قبضہ کر لے نہیں سمجھ سکتا۔ بعض مستند جابر ہوتے ہیں اور بعض، نوآموز، اب نواب کالا باغ تھا، نجیب الطرفین جابر، کیا مجال کسی چھوٹے آدمی پر ہاتھ ڈالے مگر سارے مغربی پاکستان میں اس کی دہشت تھی۔ بھٹو صاحب اس کی نقل کرتے تھے مگر جبر کی سائنس سے ناآشنا تھے۔"

یوں، الطاف صاحب نے اپنے کالم میں جبر کی سائنس کو حوالہ بنا کر نواب کالا باغ مرحوم کی شخصیت اور کردار کے متعلق گفتگو کی ہے۔ لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ اول تو ہماری سمجھ میں یہ جبر کی سائنس آئی ہی نہیں۔ دیکھیئے، ایک ہوتی ہے جبریت، جسے آپ ایسے پڑھے لکھے Fatalism یا Determinism کہیں گے۔ اور ایک ہوتی ہے جباریت، جسے شاید آپ Omnipotence کہیں گے۔ اب اگر ان کی کوئی سائنس، دریافت کر لی جائے تو ٹھیک ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں۔ لیکن یہ جو جبر کی سائنس ہے، یہ تو مستلزم ہوگی ظلم و استبداد اور جور و جفا کی سائنسز کو۔ اور جور کی سائنس، آپ کو پتا ہے، عبارت ہے ------ " افضل الجہاد، کلمۃ الحق عند السلطان الجائر " سے! جائر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے سے (جی ہاں! سلطان جابر نہیں، سلطان جائر!) جبکہ جفا کی سائنس -------؟ یہ تو بہت پرانی ہے۔

جفا کم کن کہ فردا روز محشر
بہ پیش عاشقاں شرمندہ باشی

کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ ظلم، ظلم ہوتا ہے، استبداد، استبداد ہوتا ہے۔ اور جبر، جبر ہی ہوتا ہے۔ باقی رہی جبر کی سائنس، تو ---- دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔ ہاں البتہ یہ اپنی اپنی قسمت اور ہمت پہ موقوف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ کون نواب کالا باغ اور بھٹو کے دور میں مقتل کو سر خرو کرتا ہے اور کون منصب و جاہ کو!

ایک اور بات جس پر ہم چونکے اور ٹھٹکے،۔۔۔۔۔۔ ہے وہ بھی سخن گسترانہ! الطاف، صاحب روای ہیں کہ نواب کالا باغ نے ان سے کہا۔

''ایک دفعہ عطا اللہ شاہ بخاری میانوالی تشریف لائے، ان کی جادو بیانی کا یہ اثر ہوا کہ ضلع بھر کے لوگ رات رات بھر بیٹھے ان کے ارشادات سنتے اور سر دھنتے، انہوں نے اعلان کیا کہ وہ نواب "کالا باغ کے ظلم اور جبر کے خلاف جہاد کا علم لے کر نکلے ہیں، نواب صاحب کے مخالفین نے شاہ صاحب کو اور چڑھا دیا۔ بے شمار لوگ اس جہاد میں ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔ جمعرات کی شام کے جلسے میں انہوں نے اپنے جاں فروشوں کو اطلاع دی ''کل جمعہ کی نماز کے بعد میں سر پر کفن باندھ کر کالا باغ روانہ ہو جاؤں گا، کیا آپ میرے ہمراہ چلیں گے؟'' حاضرین جلسہ نے بیک زبان کہا ''ہاں چلیں گے'' اس اعلان کی گونج نواب کالا باغ کے کان بھی پڑی۔ انہوں نے اپنے ایک معتمد کے ہاتھ عطا اللہ شاہ بخاری کی خدمت میں یہ پیغام بھجوایا کہ حضور شاہ صاحب بڑی خوشی سے کالا باغ تشریف لائیے، جو کفن آپ سر پر باندھ کر آئیں گے ہم آپ کو وہی کفن پہنا کر واپس بھیج دیں گے'' نواب صاحب کے قول کے مطابق شاہ صاحب نے پیغام ملنے کے بعد کالا باغ آنے کا ارادہ ترک کر دیا، تو جبر کی سائنس یہ ہے کہ مدمقابل کو پہچانو اور جب اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالو تو یہ اطمینان کر لو کہ تمہارے پاؤں زمین پر جمے رہیں، اور وار کرو تو ایسا کہ رقیب روسیاہ جانبر نہ ہوسکے۔ کسی کمزور آدمی پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔''

اب میں کیا عرض کروں، کہ یہاں تو جبر کی سائنس، انتہائے لاغری سے دکھائی بھی نہیں دے رہی۔ دعویٰ، دلیل، روایت اور درایت کی رو سے بلکہ رورعایت سے بھی، اس حکایت کو پایہ ثقاہت تک پہنچانا محال ہے۔ پایہ ثقاہت کہاں، اسے پایہ ثبوت تک بھی نہیں پہنچایا جاسکتا۔ وہ کیوں؟ اس لیے کہ عطاء اللہ شاہ بخاری، ایک دفعہ نہیں، بہت دفعہ میانوالی تشریف لے گئے۔ لیکن یہ کفن والی بات تو کبھی نہیں سنی گئی۔ بالکل بھی نہیں۔ ہاں، شاہ صاحب کے ایک ساتھی تھے مولانا محمد گل شیر! احراری خطیبوں کی کہکشاں میں بہت نمایاں تھے۔ یہی وہ ''مردحر'' تھا جس نے ۱۹۴۳ء میں نواب کالا باغ کے مظالم کے خلاف عوامی تحریک کا آغاز کیا اور ۱۹۴۴ء کے وسط میں، نواب صاحب کے حسب الارشاد، کفن اوڑھ کر، آسودہ خاک ہوگیا۔ اس اجمال کی کچھ تفصیل عرض کر دینا یوں بھی ضروری ہے کہ آج کی نسل تو نواب کالا باغ سے بھی کچھ زیادہ واقف نہیں چہ جائیکہ اسے مولانا گل شیر اور عطاء اللہ شاہ بخاری کے افکار و سوانح سے کچھ علاقہ ہو۔

یہ مولانا گل شیر ضلع اٹک کے ایک گاؤں (ملهووالی) کے رہنے والے تھے۔ شمالی پنجاب میں اٹک، کیمبل پور، میانوالی، سرگودھا، خوشاب، جہلم وغیرہ کے علاقوں میں یہی ایک آواز تھی جو جاگیرداروں، وڈیروں، ٹوڈیوں، کاسہ لیسوں اور فرنگیوں کے لئے، ۱۹۲۸ء سے سوہان روح بن گئی تھی۔ خوف، مولانا کی چمڑی میں نہیں تھا۔ مستزادیہ کہ غضب کے خوش بیان، خوش الحان اور خوش شکل بھی! یہ واقعہ ہے کہ خلقت ان کی دیوانی تھی۔ پروفیسر مرزا محمد منور کے الفاظ ہیں کہ

''میں مولانا گل شیر کو عطاء اللہ شاہ بخاری سے برتر مقرر جانتا ہوں۔ ان کے بیان میں جو سوز اور درد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجود تھا، کسی بھی دوسرے مقرر میں آج تک محسوس نہیں کیا۔"
خود، سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے الفاظ تھے کہ "مجھے آج تک کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں مل سکا، جس کی تلاوت اتنی موثر اور کیف آور ہو"------ خود ہی خیال فرمائیے کہ ایسے شخص کی "خطرناکی" میں نواب کالا باغ کو کیونکر شک ہو سکتا تھا۔ یہی مولانا گل شیر، ۱۹۳۹ء میں جب مجلس احرار اسلام میں شامل ہوئے تو ٹوانے، نون، خوانین، ملک، سادات اور پیر صاحبان اب ٹھیک ٹھیک انکی زد میں آنے لگے یا دوسرے لفظوں میں مولانا کی Range بہت کچھ بڑھ گئی تھی۔ قصہ مختصر، یہ کہ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں مجلس احرار نے مولانا کی سرکردگی میں کالا باغ میں تحریک چلانے کا اعلان کر دیا۔ سردار خضر حیات، وزیر اعظم پنجاب، کچھ سپر انداز بھی ہوئے۔ وہ اٹک چل کر آئے۔ لیکن نواب کالا باغ کے جبر و استبداد نے سپر انداز ہونا نہیں سیکھا تھا۔ لہذا ۲۳ مئی ۱۹۴۴ء کو، مولانا محمد گل شیر کو، ان کے اپنے گھر میں، سوتے میں گولی مار دی گئی---------اب آپ اسے جبر کی سائنس کہہ لیں۔ Tyrany (استبداد) کہہ لیں، Despotism (مطلق العنانی) کہہ لیں، Autocracy (خود سری) کہہ لیں، یا Oppression (تعدی) کہہ لیں--- الفاظ بدلنے سے حقیقت کبھی نہیں بدلی۔ کہیں نہیں بدلی۔
ان سطور کا راقم، اعتراف کرتا ہے کہ وہ الطاف گوہر صاحب کے علم، تجربے، مشاہدے اور تجزیے کو چیلنج کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔ اسے یہ سودا بھی نہیں اور لپکا بھی نہیں! کہ وہ ایک فہمیدہ و جہاندیدہ (Veteran) شخص ہیں۔ ہفت زبان (Polyglot) ہیں۔ خوبیوں کا ایک جہان ہیں۔ لیکن ان سے اتنی بات کہنے کی اجازت ضرور، مجھے ملنی چاہیئے کہ اگر جبر کی سائنس Exist کرتی ہے تو یقین جانیے کہ پھر صبر کی سائنس بھی یہاں Exist کرتی ہے۔ اگر نواب کالا باغ کی زندگی جبر کی سائنس سے عبارت ہے تو ان کی موت، صبر کی سائنس سے! الطاف صاحب خود لکھتے ہیں۔

> "مجھے اتوار کی وہ صبح کبھی نہیں بھولتی جب صدر صاحب نے مجھے طلب کیا اور بتایا کہ نواب کالا باغ کو ان کی خواب گاہ میں قتل کر دیا گیا ہے، شبہ یہ تھا کہ ان کے چھوٹے بیٹے نے کسی اختلاف کی بنا پر باپ کے سر میں پستول کی گولی پیوست کر دی، نواب صاحب نے ایوب خان سے اپنی آخری ملاقات میں ایک ہی گزارش کی تھی اور وہ یہ کہ اگر ان کا چھوٹا بیٹا کسی مشکل میں مبتلا ہو جائے تو اس کی مدد کی جائے۔"

الطاف صاحب! کہنے والے تو کہتے ہیں کہ صبر کی سائنس کا جادو، نواب کالا باغ کے صاحبزادے کے سر پر بھی چڑھ کر بولا۔ وہی ایک گولی، وہی غیر طبعی موت، وہی اجیرن زندگی---- ان کے گھر میں، یہ تسلسل تو آج بھی قائم ہے۔ اور امیر عبداللہ روکڑی کے محتاط پیرائے میں لکھے گئے الفاظ، اب بھی میرے سامنے ہیں کہ -------- "عام طور پر ایسا مشہور ہے کہ دو سو کے لگ بھگ قتل، نواب آف کالا باغ کے ذمے تھے"۔
سابق آئی جی پنجاب، راؤ عبدالرشید کی گواہی بھی تو ریکارڈ پر ہے کہ---- "یہ ان کی سرشت میں شامل تھا کہ شریف آدمی، خاص طور سے خوددار آدمی کی پگڑی اچھالی جائے"!
وہ ایک صاحب، اور ہوا کرتے تھے----- جناب سکندر مرزا----- "ان کو بھی اپنے خدا ہونے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتنا ہی یقیں تھا" ! اپنے نواب صاحب، نواب ہی تو تھے، یا پھر مغربی پاکستان کے گورنر ہوگئے۔ جبکہ سکندر مرزا صاحب تو گورنر جنرل اور صدر مملکت بھی ہوئے۔ ان کی تب و تاب جابرانہ کا کیا کہنا۔ چودھری محمد علی، حسین شہید سہروردی، آئی آئی چندریگر، ملک فیروز خان،۔۔۔۔۔ یہ سب وزرائے اعظم انہوں نے یکے بعد دیگرے یوں بھگتائے اور چلتے کئے کہ ۔۔۔۔۔ کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا۔ ان کے مزاج کی رنگینی اور دماغ کی سنگینی کی داستانیں، الطاف گوہر صاحب کے علم میں بھی یقیناً ہوں گی۔ بہر حال میں یہاں شورش کاشمیری کی ایک روایت نقل کرتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں۔

"شیخ حسام الدین، حسین شہید سہروردی کے ساتھ عوامی لیگ میں شامل ہو گئے۔ ایک دن سہروردی صاحب نے ان سے کہا ۔۔۔۔ شیخ صاحب! سکندر مرزا (صدر مملکت) کو مجلس احرار کے بارے میں غلط فہمی ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اس کا ذہن صاف ہو جائے لیکن آپ کی اس سے ملاقات مفید ہوگی۔ غرض شیخ صاحب اور ماسٹر تاج الدین انصاری، اسکندر مرزا سے ملاقات کیلئے گورنمنٹ ہاؤس لاہور، میں گئے۔ اسکندر مرزا، اپنے صدارتی جاہ و جلال کے ساتھ برآمد ہوا اور شاہانہ بے نیازی کے ساتھ فروکش ہوگیا۔ ڈاکٹر خان صاحب، صوبہ کے وزیر اعلیٰ، ہمراہ تھے۔ سہروردی نے مرزا سے کہا " دونوں احرار رہنما، شیخ صاحب اور ماسٹر جی، آئے ہیں۔ " مرزا نے حقارت سے جواب دیا "احرار؟ پاکستان کے غدار ہیں۔"

ماسٹر جی، ٹھنڈی طبیعت کے مالک، کہنے لگے۔ غدار ہیں تو پھانسی پر کھنچوا دیجئے، لیکن الزام کا ثبوت ہونا چاہیئے۔ اسکندر مرزا نے اسی رعونت سے جواب دیا۔

"بس میں نے کہہ دیا ہے کہ احرار غدار ہیں۔"

ماسٹر جی نے تحمل کا رشتہ نہ چھوڑا لیکن مرزا نے سرکش گھوڑے کی طرح پٹھے پر ہاتھ ہی نہ دھرنے دیا۔۔۔۔۔ وہی ژاژ خائی!

شیخ صاحب نے غصہ میں کروٹ لی۔ مرزا سے پوچھا، کیا کہا آپ نے؟

میں نے؟

جی ہاں!

"احرار، پاکستان کے غدار ہیں"۔ مرزا نے مٹھی بھینچتے ہوئے کہا۔

شیخ صاحب کہاں رکتے۔ گورنمنٹ ہاؤس، گورنر موجود، وزیر اعلیٰ موجود، وزیر اعظم موجود، صدر مملکت کی بارگاہ! فوراً جواب دیا۔۔۔۔۔۔ " احرار، غدار ہیں کہ نہیں۔ اس کا فیصلہ ابھی تاریخ کرے گی۔ تمہارا فیصلہ تاریخ کر چکی ہے کہ تم غدار ابن غدار ہو۔ تمہارے جدامجد میر جعفر نے سراج الدولہ سے غداری کی تھی۔ تم اسلام کے غدار ہو"۔ ڈاکٹر خان نے شیخ صاحب کو آغوش میں لے لیا اور اسکندر مرزا سے پشتو میں کہا۔ " میں نے تمہیں پہلے کہا تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ شریفانہ لہجہ میں بولنا۔ یہ بڑے بے ڈھب لوگ ہیں۔ " ظاہر ہے کہ بلی، ایک ہی جھٹکے میں سپر انداز ہو جاتی ہے۔ یکایک اس کا لب و لہجہ ہی بدل گیا۔"

مجھے اس روایت پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا اور نہ کوئی حاشیہ چڑھانا ہے۔ عیاں را چہ بیاں؟ لیکن ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایت اور ملاحظہ کیجئے۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی فاروقی لکھتے ہیں (ذکر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا چل رہا ہے)-------- "یہ منظر مئی ۱۹۵۸ کا ہے----- یہی فقیر منش الںسان (عطاء اللہ شاہ بخاری) ملتان کے ایک کچے مکان میں مقیم ہے۔ بڑھاپا بھی ہے اور افلاس بھی۔ اس عالم میں صدر پاکستان جنرل سکندر مرزا ملتان آتے ہیں۔ گیلانیوں کے ہاں دعوت ہے۔ اسکندر مرزا ایک صاحب کو اس فقیر کے پاس بھیجتے ہیں۔ پیش کش یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے آ جائیں۔ منہ مانگی خواہش پوری ہو گی۔ مگر یہاں اب بھی وہی جواب ہے------ "میرا اسکندر مرزا کے پاس جانا علم اور فقیری کی توہین ہے۔ سکندر مرزا، میرے جھونپڑے میں آ جائیں تو ان کی بھی عزت ہے اور میری بھی۔ لیکن میں ان کے پاس جا کر اپنی عمر بھر کی کمائی غارت نہیں کرنا چاہتا۔ "ایلچی، جس کا نام مظفر علی شمسی ہے، خاموش لوٹ آتا ہے۔"

الطاف گوہر صاحب کہہ سکتے ہیں کہ اسکندر مرزا جبر کی سائنس سے ناآشنا تھے۔ لیکن اسے کیا کیجئے اور اسے کیا کہیے کہ نواب کالا باغ کے جبر کی سائنس تو، نہ نظریاتی ہے اور نہ اطلاقی! خود الطاف صاحب کا بیان ہے کہ

"کراچی میں لیاری کے علاقہ میں ایک ضمنی انتخاب کا مرحلہ آیا، ایوب خان نے کراچی کے ایک معزز اور صاحب اثر تاجر اور صنعت کار حبیب اللہ خان کو اپنی مسلم لیگ کی طرف سے نامزد کیا اور حزب اختلاف میر غوث بخش بزنجو کو میدان میں لے آئی۔

نواب صاحب کو حبیب اللہ خان پر کوئی اعتماد نہ تھا اس لئے کہ وہ "پراچوں" کو حکومت کے قریب نہیں آنے دینا چاہتے تھے انہوں نے اپنے دو وزیروں محمود ہارون اور غفار پاشا کو یہ کام سپرد کیا کہ حبیب اللہ خان کو کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ انتخاب کا نتیجہ نکلا تو ایوب خان کو محسوس ہوا کہ نواب صاحب نے ذاتی مخاصمت کی وجہ سے لیگ کے سرکاری امیدوار کو ہروا دیا ہے-----------، صدر ایوب سبی دربار میں شمولیت کے لئے بلوچستان گئے تو نواب صاحب بھی دربار میں موجود تھے۔ صدر اور گورنر کی کرسیاں ساتھ ساتھ رکھی گئی تھیں مگر نواب صاحب نے اپنی کرسی ذرا پیچھے سرکالی، اس پر ایوب خان نے کہا "نہیں نواب صاحب پیچھے مت ہٹئے" وہ دن بھر ساتھ رہے اور رات کا کھانا بھی اکٹھے کھایا مگر ایوب خان نے ضمنی انتخاب کے بارے میں کوئی بات نہ کی اگلی صبح ناشتے پر نواب صاحب نے خود یہ معاملہ اٹھایا اور کہا کہ لیاری میں سرکاری امیدوار کی شکست کی وجہ ان کے دو وزیروں کی سازش تھی، اور وہ ان کے خلاف تحقیقات کا حکم دینے والے ہیں، ایوب خان نے کہا " نواب صاحب سر بازار گندے کپڑے دھونے سے کیا حاصل، وہ دونوں وزیر میری رضا سے مقرر ہوئے تھے انہیں فوراً فارغ کر دیجئے میں نے اپنی رضا واپس لے لی" بس اس کے ساتھ ہی ایوب خان اور نواب کالا باغ میں برسوں کا تعلق ختم ہو گیا۔"

اب فرمائیے کہ نواب کالا باغ کی نفسیات، اطلاقیات اور جبر کی سائنس میں جھوٹے وقار، جھوٹی عزت، جھوٹی دوستی، جھوٹی وفاداری اور جھوٹے طنطنے کے سوا، اور بھی کچھ رکھا تھا؟ مجھے معلوم ہے کہ الطاف صاحب بھی نواب صاحب کی راست بازی اور راست گفتاری کے مبلغ و مناد نہیں ہیں اور اوپر کی روایت میں تو

"مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری"!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصل میں مجھے بھی حیرانی یہ ہوئی ہے کہ عطاء اللہ شاہ بخاری سے متعلق نواب کالاباغ کے بیان کو الطاف صاحب نے یوں پیش فرمایا ہے کہ (معذرت کے ساتھ) گویا اس کی Credibility کا اشتہار ہو گئے ہیں۔ حالاں کہ ان سے بہتر کسے انداز ہو گا کہ یہ، اصولِ روایت کے سراسر منافی ہے۔ پھر، عطاء اللہ شاہ بخاری اور اس کینڈے کے دوسرے لوگوں کے متعلق یہ باور کر لینا کہ وہ حریف اور مدمقابل سے یوں آسانی سے ہار مان گئے ہوں گے "انتہائے سادگی" ہی تو ہے۔ یہ لوگ تو جس مٹی کے بنے ہوئے تھے اس میں ظلم کے مقابلے میں Diplomacy کی بجائے Contumacy کا عنصر پوری طرح (بلکہ بری طرح) غالب و حاوی تھا۔

یہاں سوال یہ نہیں کہ ایسی روایتوں اور حکایتوں کا سامنے آنا کس سطح کے لوگوں کی تسکین کا باعث ہوتا ہے۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ اس اشتغال سے گریز و احتراز کس حد تک لازم ہے۔؟ خود الطاف گوہر صاحب کو آج بھی بہت سے نوابانِ سبز باغ، مجیب الرحمن کے چھے نکات کا مصنف بتلاتے ہیں۔ اسی طرح ذوالفقار علی بھٹو سے گوہر صاحب کو جو تعزیر و تعذیب پر مبنی تعلق رہا ہے، اس کے Second Phase کے متعلق راؤ عبدالرشید فرماتے ہیں کہ -------- "بھٹو صاحب نے ان کو ایسٹیبلش کیا۔ ان کے بھائی (تجمل حسین) کو سفیر بنا کے بھیجا۔ انکوروٹی پلانٹ کا ٹھیکہ دیا۔ آخر الطاف گوہر نے بھٹو صاحب کے ساتھ سمجھوتہ اصولوں پہ کیا۔" کیا یہ سب کچھ مان لیا جائے؟ اور کیوں نہ مان لیا جائے؟ -------- امید ہے گوہر صاحب میرا نکتہ سمجھ گئے ہوں گے۔

ہفت روزہ "لاہور" لاہور (مرزائی جریدہ)

ان کا بدل شاید ہی پیدا ہو سکے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی وفات دراصل سابق علاقہ پنجاب کے عوامی نفسیات کے ماہر ایک ایسے شعلہ بیان مقرر کی وفات ہے جس کا بدل شائد ہی پیدا ہو سکے۔ پنجاب کے عوام کو تو خاص طور پر ان کی تقریروں کا ایسا لپکا بلکہ چسکا تھا کہ وہ نظریاتی مخالفت کے باوجود رات گئے تک بیٹھ کر آپ کی تقریریں سنتے اور چسکے لیتے رہتے تھے۔ قیامِ پاکستان سے قبل جب احرار کا کانگریس سے ساجھا ہو چکا تھا اور یہ جماعت اس نئی اسلامی مملکت کے قیام کو ناممکن بنانے کے لئے ہر ممکن سعی میں مصروف تھی۔ احرار نے حسب معمول شاہ صاحب کے حسن خطابت کو آلۂ کار بنایا اور اس دور کی سیاست میں عملی دلچسپی لینے والے گواہ ہیں کہ مسلم لیگ کے کتنے ہی شیدا والہ ان کی تقریریں اسی ذوق و شوق سے سننے آتے تھے جتنے ذوق و شوق سے وہ اپنے ووٹ مسلم لیگ کو دیتے تھے۔

نجی زندگی میں شاہ صاحب نہایت ہی سادہ اور پُرخلوص، بذلہ سنج اور ملنسار انسان تھے۔ جماعت احرار نے ہمیشہ آپ کی سادگی کو اپنی سیاسی اغراض کے لئے اکسپلائٹ کیا اور وہ اپنی ان کمزوریوں یا صفات کے باعث ہمیشہ اکسپلائٹ ہو جاتے رہے۔ شاہ صاحب کے گلے میں ایک عجب و غریب قسم کا رس تھا جس کا حسن و جذب عام طور پر اس وقت ظاہر ہوا کرتا تھا جب اپنی تقریروں سے پہلے تلاوت کلام پاک کیا کرتے تھے۔

© rasailojaraid.com